نکاح مشروط کی شرعی حیثیت (معاصر معاشرتی مسائل کے تناظر میں)

حافظ عبدالباسط خان*

نکاح رسم نہیں عبادت ہے جسے کئی اعتبار سے دیگر عبادات پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنا طریقہ اور راستہ قرار دیا ہے۔

"النکاح من سنتی فمن لم یعمل بسنتی فلیس منی" (۱)

اور اسے نگاہ کی پستی اور شرمگاہ کی حفاظت کا موجب بتلایا ہے۔

"یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج" (۲)

یہی نکاح آدم کے بیٹوں اور حواء کی بیٹیوں کے ملاپ کا مشروع طریقہ ہے۔ اس ملاپ کا مقصد قرآن کریم نے سکون وطمانیت قرار دیا ہے۔

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً﴾ (۳)

خلاق علیم نے اس آیت کے باہم متصل دو ٹکڑوں میں یہ سبق دیا ہے کہ اس ملاپ میں سکون واطمینان کا موجب مودۃ ورحمۃ ہے۔ یہ محبت ورحمت جانبین کی زندگی میں سکون کی ایسی کیفیت پیدا کرتی ہے جس کا تصور اس ملاپ سے پہلے ہو ہی نہیں سکتا۔

عقد نکاح میں لڑکی کے اولیاء کی طرف سے مختلف نوعیتوں کی شرائط عائد کرنے کی روایت نئی نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد:

"احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج" (۴)

"تم پر سب سے زیادہ ان شرائط کی پاسداری ضروری ہے جن کے ذریعے سے تم شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کرتے ہو"

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی ایسی شرائط کا رواج تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ کے قول

"ولقد اشترت منذ زمان ان انهی الناس ان یتزوجوا بالشروط وان لا یتزوجوا الا علی دین الرجل وامانته وانه کتب بذلك کتابا وصیح به فی الاسواق (۵)

سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے اسلامی معاشروں میں ایسی شرائط عائد کرنے کی عادت رہی ہے۔ نیز فقہاء اربعہ کے ہاں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث بھی اسی کا عندیہ دیتی ہے۔

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سینٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

سب سے پہلے ان شرائط کی مختلف اقسام کا ذکر کیا جا رہا ہے تا کہ مسئلہ کی تفہیم وتحقیق میں آسانی رہے۔

۱۔ وہ شرائط جو انہی حقوق وفرائض کو موکد کرتی ہیں جن کو شریعت نے نکاح کی وجہ سے لازمی طور پر واجب قرار دیا ہے جیسے یہ شرط کہ خاوند بیوی کو نفقہ ادا کرے گا، اس کے ساتھ بھلے طور پر بمطابق شریعت زندگی بسر کرے گا، اسی طرح یہ شرط کہ عورت معروف میں خاوند کی اطاعت کرے گی اور یہ کہ اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی۔

ظاہر ہے کہ ان شرائط کی حیثیت احکام شریعت کی بجا آوری کی توثیق وتجدید ہے۔ جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

۲۔ وہ شرائط جو نکاح سے متعلق وجوبی احکام سے متصادم ہوں۔ ابن رشد کے بقول جو نکاح صحیح ہونے کی شرطوں میں سے کسی کو ساقط کر دیتی ہوں یا نکاح کے واجب احکام میں سے کسی حکم میں تغیر وتبدیلی کو مستلزم ہوں جیسے یہ شرط کہ بیوی کا مہر نہیں ہوگا یا شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ نہیں ہوگا۔ ایسی شرطیں بالاتفاق غیر معتبر ہیں۔ (۶) امام بخاری نے ایسی شرطوں کی ممانعت پر مستقل عنوان باندھا ہے۔ ''باب الشروط التی لاتحل فی النکاح'' پھر اس کے تحت رسول ﷺ کی وہ حدیث پیش کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ اس کے حصہ کی بھی حقدار بن جائے کیونکہ جو اور جتنا اس کے لیے مقدر ہے وہ تو اسے مل کر رہے گا۔ (۷)

ایسی شرائط اگر نکاح میں لگائی جائیں تو ان کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ نکاح منعقد ہو جائے گا اور شرائط لغو ہوں گی۔

۳۔ وہ شرائط جن سے عورت کو نفع پہنچ سکتا ہے۔ درآنحالیکہ شریعت نے ان شرائط کو نہ واجب قرار دیا ہے نہ ان سے منع کیا ہے ایسی شرطوں میں عموماً مرد اپنے ہی کسی حق سے دستبردار ہو جاتا ہے، مثلاً یہ کہ خاوند اسے اس کے میکہ میں رکھے گا یا یہ کہ اس کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا۔ ایسی شرائط کے ساتھ نکاح تو بالاتفاق منعقد ہو جاتا ہے مگر اختلاف اس میں ہے کہ کیا ایسی شرائط پوری کرنا مرد پر لازم ہے؟

تیسری قسم کی شرائط کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے وقت سے ہی دو مختلف نقطۂ نظر چلے آ رہے ہیں۔ حضرت علیؓ کا موقف یہی ہے کہ شرائط معتبر نہ ہونگی۔ حضرت علیؓ کے موقف کو تابعین میں سے سعید بن مسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، شعبی، ابن شہاب زہری، عبدالرحمٰن بن اذنیہ، ایاس بن معاویہ۔ ہشام بن ہبیرہ اور طاؤس رحمہم اللہ تعالی نے اختیار کیا ہے۔ (۸) ائمہ مجتہدین میں سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے سوا ائمہ ثلاثہ کا یہی موقف ہے۔ (۹) اسی لیے اسے جمہور کا مؤقف قرار دیا جاتا ہے۔ اسکے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

''کل شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل'' (۱۰)

۲۔ نیز رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:

''المسلمون علی شروطهم الا شرطا حرم حلالا وأحل حراما'' (۱۱)

''یعنی مسلمانوں کے حقوق و واجبات طے شدہ شرطوں کے مطابق ہونگے۔ سوائے ایسی شرط کے جو کسی حلال کو حرام کرے اور حرام کو حلال کر دے''

اب اگر بیوی ایسی شرط لگاتی ہے جس کے ذریعے وہ کسی حلال کو شرط کے ذریعے خاوند کیلئے حرام کر دے تو یہ ناجائز ہوگا۔ مثلاً وہ شرط لگائے کہ دوسرا نکاح نہ کرو جہاں میں ہوں وہاں ہی تم رہو۔ حالانکہ دوسرے نکاح کی اور آزادانہ کسی بھی جگہ رہنے کی خاوند کو اجازت ہے تو گویا حلال کردہ اشیاء کو حرام بنانا ہے جو ناجائز ہے۔

۳۔ ایسی شرطیں تقاضائے عقد کے خلاف ہیں۔

اس مندرجہ بالا موقف کے بالمقابل دوسرا موقف صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمرو بن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ تابعین میں سے قاضی شریح، ابوالشعثاء، عمر بن عبدالعزیز، اسحٰق بن راھویہ، اوزاعی اور ابن شبرمہ کی یہی رائے ہے کہ خاوند کو ہر وہ شرط جسے پورا کرنے کا اس نے عہد کیا ہے، بہر حال پوری کرنی پڑے گی۔ (۱۲)

ائمہ حدیث میں سے امام بخاری نے۔

''باب الشروط فی النکاح'' قائم کر کے حضرت عمرؓ کا وہی قول نقل کیا ہے جو ان شروط کے معتبر ہونے کے بارے میں ہے۔ جس نے انکار رجحان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے۔ (۱۳) امام ابوداؤد کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ ان کے ہاں عنوان ''باب فی الرجل یشترط لھا دارھا'' ہے۔ (۱۴) ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے۔ (۱۵)

دلائل:۔ اس مسلک کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

﴿یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (۱۶)

''اے اہل ایمان اپنے عقود پورے کیا کرو۔''

اس آیت کے ذیل میں جصاص لکھتے ہیں۔

"وکذلك کل شرط شرطه انسان علی نفسه فی شیء یفعله فی المستقبل فھو عقد" (۱۷)

''یعنی مستقبل کے بارے میں انسان جو بھی شرط اپنے اوپر عائد کرے وہ عقد ہے، پھر فرماتے ہیں''

"وھو عموم فی ایجاب الوفاء بجمیع ما یشترطه الانسان علی نفسه ما لم تقم دلالة تخصصه" (۱۸)

یعنی انسان اپنے اوپر جو بھی شرطیں منظور کرے یہ آیت ان تمام شرائط کے پورا کرنے کو واجب قرار دیتی ہے سوائے اس کے کہ کوئی ایسی دلیل ہو جو اس میں تخصیص کا تقاضا کرتی ہو۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج" (۱۹)

''سب سے زیادہ قابل ایفاء وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعے تم عصمتوں کو حلال کرتے ہو''

اس حدیث کے حوالہ جات میں مذکور کتب صحاح وسنن کے تراجم ابواب سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین نے اس حدیث بالا سے اسی قسم کی شروط سمجھی ہیں۔

۳۔ عبدالرحمٰن بن غنم کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھا، حضرت عمرؓ کے پاس ایک مقدمہ آیا، جس میں شوہر اور بیوی کے درمیان یہ شرط طے شدہ تھی کہ شوہر اس کو میکہ ہی میں رکھے گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شرط پوری کی جائے۔ اس کے شوہر نے کہا کہ اگر اس طرح کا فیصلہ ہوا تو عورت جب بھی شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے گی، علیحدہ ہو جائے گی، حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"المسلمون عند مشارطهم عند مقاطع حدودهم" (۲۰)

''یعنی مسلمان اپنی شرطوں کو پورا کرنے میں اپنی حدود کے پابند ہیں''

ابن قدامہ نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ ظاہر ہے کہ صحابہ کی موجودگی میں تھا جب انہوں نے اس پر نکیر نہیں کی تو گویا یہ کم از کم مدینہ میں موجود صحابہ کا متفقہ فیصلہ ہو گیا۔ (۲۱)

۴۔ یہ ایسی شرطیں ہیں جو مقاصد نکاح میں تو مانع نہیں اور اس سے ایک جائز مقصد ومنفعت متعلق ہے جیسے اپنے ملک میں رہنا یا مہر کی زیادتی، تو جب یہ امور درست ہیں تو ان پر مشتمل شرطوں کو بھی درست ہونا چاہیے۔ (۲۲)

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جو حضرات ان شرائط کے پورا کرنے کو شوہر کے لیے لازم نہیں سمجھتے وہ اس بات کے بہر حال قائل ہیں کہ چونکہ شوہر شرط کے پورا کرنے کا وعدہ کر چکا ہے لہذا اسے وعدہ خلافی کی صورت میں گناہ ضرور ہوگا۔ گویا دنیاوی حکم کے اعتبار سے قاضی تو فیصلہ یہی دے گا کہ شرط کا پورا کرنا خاوند کے ذمہ لازم نہیں لیکن اخروی حکم کے اعتبار سے وعدہ کی پاسداری نہ کرنے کے باعث خاوند گناہ گار رہے گا۔ اسے فقہاء کی اصطلاح میں ''یلزم دیانۃ'' ''ولا یلزم قضاء'' کہتے ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

"يؤمر الزوج بتقوى الله والوفاء بالشروط ويحكم بذلك حكما" (۲۳)

''شوہر کو تقوی اور ایفاء شرط کا حکم دیا جائے گا اور اس بارے میں قطعی حکم دیا جائے گا''

اسی طرح مولانا انور شاہ کاشمیری مسئلہ مذکورہ میں حنفیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والشروط اللتي لا تنافي النكاح جائزة وتوفي ديانة ولا تلزم قضاء" (۲۴)

جو شرطیں منافی نکاح نہیں ہیں وہ جائز ہیں، دیانۃً ان کو پورا کرنا واجب ہے۔ قضاء واجب نہیں ہے۔

فتاویٰ دار العلوم دیو بند میں ایک فتوی میں نکاح مشروط کے بارے میں یہ تصریح ہے، کہ

''اس صورت میں نکاح ہو گیا، شرائط کے پورا نہ کرنے سے نکاح میں فرق نہیں آیا۔ اگر چہ شوہر کو دیانۃً پورا

کرنا شرائط کا ضروری تھا مگر پورا نہ کرنے سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آیا'' (۲۵)

اس مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ جمہور کا قول ان شرائط کے قضاء لازم نہ ہونے کا ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو اصولیین کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی نص کے ذریعے مطلقاً کسی چیز کی ممانعت ہو جائے اور بعد ازاں کوئی دوسری نص اس عموم میں تخصیص پیدا کرتے ہوئے کسی پہلو یا اس عموم کے کسی فرد کے لیے جواز پیدا کردے تو عموم میں سے اس فرد کو خاص کرتے ہوئے مستثنیٰ کر دیا جاتا ہے لہذا اس قاعدے کی روشنی میں ارشاد ھادی برحق ''کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل'' سے مستفاد حکم کو کہ جو کتاب اللہ میں نہیں، باطل ہے، اس میں سے ارشاد ھادی برحق:

"احق ماوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج "

کی روشنی میں نکاح کی شرائط کو مستثنیٰ کر دیا جائے، علامہ ابن رشد لکھتے ہیں:

"والحديثان صحيحان اخرجهما البخارى ومسلم الا ان المشهور عند الاصولين القضاء بالخصوص على العموم وهو لزوم الشروط وهو ظاهر ما وقع فى العتبية وان كان المشهور خلاف ذلك"(۲۶)

باقی رہی یہ بات کہ جمہور کے نزدیک حنابلہ کی اس مذکورہ بالا دلیل سے وہی شرائط مراد ہیں جواز خود نکاح کے عقد میں پہلے سے شامل ہیں، تو یہ بات فہم سے بالاتر ہے کہ جب یہ شرائط خود عقد نکاح میں شامل ہیں تو ان کے علیحدہ سے اس قدر اہتمام سے بیان کیا ضرورت باقی رہتی ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ اسی پہلو کی نشاندہی کرتے ہوئے ابن دقیق العید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"قد استشكل ابن دقيق العيد حمل الحديث على الشروط اللتى هى من مقتضيات النكاح قال تلك الامور لا تؤثر الشروط فى ايجابها فلا تشتد الحاجة الى تعليق الحكم باشتراطها وسياق الحديث يقتضى خلاف ذلك لان لفظ "احق الشروط" يقتضى ان يكون بعض الشروط يقتضى الوفاء بها وبعضها اشد اقتضاء والشروط هى من مقتضى العقد مستوية فى وجوب الوفاء بها" (۲۷)

یعنی جو شرطیں خود ہی مقتضیات عقد میں سے ہیں، انہیں کو اس حدیث کا مصداق قرار دینے پر ابن دقیق العید کو اشکال ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب ان امور کو واجب قرار دیئے جانے میں ان شرطوں کو لگانا مؤثر نہیں ہے تو پھر ان شرطوں کے لگانے پر حکم کو معلق کرنے کی کوئی حاجت نہیں، حدیث کا سیاق بھی اس سے مختلف بات کا متقاضی ہے، کیوں کہ احق الشروط کی تعبیر ظاہر کرتی ہے کہ بعض شرطیں قابل ایفاء ہیں اور بعض زیادہ قابل ایفاء ہیں اور جو شرطیں واجبات عقد میں سے ہیں وہ لازم الایفاء ہونے میں برابر ہیں۔

بعض معاصر اہل علم و تحقیق کی رائے یہی ہے کہ ان شرائط کے پورا کرنے کو لازم قرار دیا جائے۔ (۲۸)

یہ بحث اس وقت تک ادھوری ہے جب تک اس مسئلہ کو معاصر معاشرتی مسائل کے تناظر میں نہ دیکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کے نصف اخیر میں تحاریک حقوق نسواں (Feminism) اور بعد ازاں تحریک ترویج حقوق نسواں Women

Empowerment Movement نے دنیائے عالم کو ایک نئی صورت حال سے دو چار کر دیا ہے۔ ان تحاریک کے اخص الخصوص اہداف ومقاصد میں مسلم معاشروں اور خصوصاً مسلم اقلیتی معاشروں میں عورتوں کے حقوق کا پرچار کرنا ہے۔ ''جھوٹ کو اتنی ڈھٹائی سے بولو کہ سچ محسوس ہو'' اور کلمۃ حق ارید بھا الباطل'' جیسے اقوال انہی تحاریک پر صادق آتے ہیں۔ اب صورت حال اس حد تک گھمبیر ہو چکی ہے کہ مسلم عورتوں کی بنائی ہوئی "WISE" جیسی حقوق نسواں کی تنظیموں نے خواتین کی مردوں کی نماز کی امامت تک کا سوال اٹھا لیا ہے۔

دوسری طرف معاشی ابتری اور اقتصادی بدحالی نے مسلم معاشروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس کے زیر اثر مسلم خواتین کی ملازمت اور کاروبار حیات میں ان کی شرکت اب عام ہے۔ اس معاشی ابتری کا ایک نتیجہ مختلف نفسیاتی الجھنوں کی شکل میں سامنے آیا ہے جس سے طلاق وخلع کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ ملک پاکستان میں ہی پچھلے دو سالوں میں خلع کے مقدمات میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ معاشرتی مسائل کی اس مثلث نے علمائے اسلام کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کیا نکاح مشروط کی اجازت سے طلاق وخلع کی روک تھام یا کم از کم ایک حد تک کمی ممکن ہو سکے گی۔

راقم کے خیال میں معاملہ فقہی اجازت سے زیادہ تدبیر کا ہے۔ کیا نکاح مشروط کی تدبیر کارگر بھی ہوگی اور کیا اس کے ذریعے سے عائلی جھگڑوں اور تطلیق وتفریق کا سد باب ہو سکے گا۔ یہ بات تو طے ہے کہ شرط کی نوعیت پر غور کرنا بہت ضروری ہے۔ مرد قوام ونگہبان ہے عورت مملوک نہیں البتہ خادمہ اور مطیعہ ضرور ہے۔ کسی ایسی اجازت سے گریز ضروری ہے جس سے عورت بجائے خادمہ کے مخدومہ اور مطیعہ کے مطاعۃ بن جائے۔

لہذا نکاح مشروط کی مطلق اجازت بجائے ان تحاریک کے اثرات کو کم کرنے کے، ان کے اہداف ومقاصد کے حصول میں معین ومددگار ہو جائے گی اور بجائے موجب خیر ہونے کے موجب شر ہو جائے گی۔ چنانچہ یہی رخ راہ اعتدال معلوم ہوتا ہے کہ شرط کی نوعیت کے مطابق حکم لگایا جائے۔

ان مذکورہ بالا معاشرتی الجھنوں کے سب سے زیادہ شکار مسلم اقلیتی معاشرے ہیں۔ وہاں عورت کی ملازمت ایک ایسی روایت اور ایک گونہ ضرورت بن گئی ہے کہ اس کو یک لخت غیر اسلامی قرار دے کر کسی درجہ میں قابل فکر واعتناء نہ سمجھنا دانش مندی نہیں، مثالی اسلامی معاشروں میں یقیناً اس کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے۔ مگر یہاں صورت حال یکسر مختلف ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر عورت بوقت نکاح یہ شرط رکھتی ہے کہ وہ ملازمت کرے گی اور اگر نکاح کے بعد شوہر نے اسے ملازمت سے روکا تو اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

راقم کے خیال میں نکاح کے ذریعے مرد کو عورت پر جو حقوق حاصل ہوتے ہیں ان میں حق حبس یعنی گھر میں روکے رکھنے کا حق اور حق استمتاع یعنی جنسی خواہش کا حق شامل ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے:

"واذا ارادت المرءة ان تخرج الی محلس العلم بغیر اذن الزوج لم یکن لها ذلك"(۲۹)

''عورت شوہر کی اجازت کے بغیر علمی مجالس میں جانا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔''

"له منعها من الغزل و کل عمل تبرعا لأ حنبی ولو قابلة او مغسلة لتقدم حقه علی فرض الکفایة ومن محلس العلم الا لنازلة امتنع زوجها من سؤالها"(۳۰)

شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو دھاگے کاتنے اور ہر ایسے کام سے روکے، جو وہ اجنبی شخص کے لئے تبرعاً انجام دے، خواہ وہ دایہ ہو یا غسالہ ہو، کیونکہ شوہر کا حق فرض کفایہ پر مقدم ہے، سوائے اس کے کہ وہ ایسے پیش آمدہ مسئلہ کی بابت ہو جس کو شوہر دریافت نہیں کر رہا۔

قرآن کریم کی آیت:

﴿وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی﴾ (۳۱)

''اور تم عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جاہلیت کے زمانہ جیسے بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ نکلو'' سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

البتہ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یقیناً بعض ظروف واحوال ایسے ہوتے ہیں جن میں عورت کی ملازمت عیش وآزاد پسندی کی بجائے ضرورت بن جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ خاوند سرے سے کماتا ہی نہیں یا یہ کہ اس کی کمائی اس قدر کافی نہیں جو خانگی ضروریات کو پوری کر سکے۔ یا عورت بعض اوقات ایسی گھریلو نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوتی ہے کہ اس کا حل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے ماحول کی تبدیلی کا موقع دیا جائے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً یہ تمام حالات نکاح سے قبل تو معلوم ہو نہیں سکتے کہ ان کے حل کے لیے نکاح ہی کو ملازمت کی شرط سے مشروط کر دیا جائے۔ یہ احوال تو نکاح کو کچھ مدت گزر جانے کے بعد جلد بدیر ہی سامنے آسکتے ہیں۔ لہٰذا ان کے حل کے لیے نکاح کو مشروط رکھنا تو کوئی دانشمندی نہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ مسلم اقلیتی معاشرے جہاں عادت وعرف سے یہ بات طے ہے کہ مرد کی آمدنی عموماً اتنی ہوتی نہیں کہ اس میں خانگی ضروریات پوری ہو سکیں تو وہاں اگر بایں الفاظ نکاح کو مشروط کرایا جائے کہ اگر مرد کی کمائی سے خانگی اخراجات پورے نہ ہوئے تو تو عورت کو تاحدامکان اسلامی احکام کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس وقت تک ملازمت کی اجازت ہوگی جب تک اس کی ضرورت ہوگی اور اگر اس ضرورت کے باوجود مرد، عورت کو ملازمت کی اجازت نہ دے اور معاملات یونہی ایک سال تک شدید تنگی میں گزر جائیں تو ان حالات کے بارے میں دو عادل گواہوں کی گواہی کے بعد عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

بعض معاصر فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ اگر عورت کسی ایسی جگہ ملازمت کی شرط لگاتی ہے جہاں حدود شرعیہ کی پابندی ہے تو پھر

اس شرط کا ایفاء بھی خاوند کے ذمہ لازم ہوگا۔ مثلاً وہ کسی لڑکیوں کے دینی مدرسہ میں ملازمت کرتی ہے۔ (۳۲)

راقم کے خیال میں خواتین کی عصری تعلیم کے ادارے بھی اس دائرہ میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن دینی مزاج ومذاق کا تقاضا یہی ہے مسلم ممالک میں عورت کی ملازمت کو مطلقاً مشروع نہ کیا جائے ورنہ مفاسد کا خطرہ ہے، سدِ ذریعہ کے اصول کے تحت ملازمت کا دروازہ بند رکھنا ہی بہتر ہے۔

یہاں ایک سال کی مدت حزم واحتیاط کے باعث رکھی گئی ہے ورنہ فقہ میں صرف ایک ماہ کی مہلت رکھی گئی ہے۔ معسر (تنگدست) جو بیوی کو نفقہ دینے پر قادر نہ ہو تو اسے ایک ماہ کی مہلت دی جائے گی اگر اس مدت میں وہ نفقہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو قاضی نکاح فسخ کردے گا۔ بلکہ بعض معاصر فقہاء کا کہنا ہے کہ ایک ماہ کی مہلت صحت قضاء کے لیے شرط نہیں ہے۔ گویا قاضی اس سے کم مدت بھی مقرر کرسکتا ہے۔ (۳۳)

ظاہر ہے کہ جہاں نظام قضاء نہ ہو اور مسلم پرسنل لاء کے مطابق فیصلے بھی ناممکن یا انتہائی مشکل ہوں وہاں دو عادل گواہ قاضی کے قائم مقام ہوسکتے ہیں۔

مسلم اقلیتی معاشروں میں ایک اور رجحان نے بھی جنم لیا ہے جو ظاہر ہے کہ اپنی اصل کے اعتبار سے کوئی نیا نہیں ہے۔ وہ یہ کہ وہاں لڑکی یا اسکے اولیاء بوقت نکاح یہ شرط رکھتے ہیں کہ ہر حال میں لڑکی کو یہیں بسانا ہوگا اور اپنے ملک میں لے جانے کی مرد کو اجازت نہ ہوگی۔

درج بالا صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ خود فقہاء نے اس نوعیت کی شرط کا تذکرہ کیا ہے۔

راقم کے خیال میں یہاں شرط کو قانونی حیثیت دیتے ہوئے عدم ایفاء شرط کی صورت میں عورت کو حق فسخ دینے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ وہ اسی ماحول میں پلی بڑی ہے۔ باوجودیکہ ان غیر مسلم معاشروں کا ماحول کسی صاحبِ ایمان کے لیے موزوں نہیں تاہم عورت کو بہ جبر آبائی مسلم ملک میں لے جانا بھی متعدد قباحتوں کو جنم دیتا ہے۔

بعض اوقات اسی نوعیت کی شرائط مرد بھی عائد کرتے ہیں ان شرائط سے عورت کے کلیدی حقوق پر زد پڑتی ہے۔ نفقہ اور وظیفۂ زوجیت کی ادئیگی عورت کے وہ بنیادی حقوق ہیں جو نکاح کے فوراً بعد اسے حاصل ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس طرح نفقہ ایک ایسا حق ہے جو ہر روز پیدا ہوتا ہے اسی طرح وظیفۂ زوجیت بھی ایک ایسا حق ہے جو بار بار پیدا ہوتا ہے۔ لہذا مرد کی طرف سے عائد کی گئی وہ تمام شرائط جو ان دونوں حقوق سے بریت ودستبرداری پر مشتمل ہوں، معتبر نہ ہونگی عورت کسی بھی وقت ان کی ادائیگی کا مطالبہ کرسکتی ہے اس لیے کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر عورت کو مرد کی تنگدستی کا نکاح سے پہلے علم ہو تو پھر بھی وہ نکاح کے بعد عدم ادائیگی نفقہ کی بناء پر حق فسخ رکھتی ہے۔ (۳۴)

اسی طرح اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اور ایک اپنی نوبت (شب باشی کی باری) کسی دوسری کو دے دے تو

وہ اپنی نوبت کا دوبارہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہے۔(۴۵)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حقوق دستبرداری سے مستقل ختم نہ ہونگے۔

البتہ مرد اگر مستقل شب گزاری نہ کرنے کی شرط عائد کرے اور عورت کے پاس اس کا کوئی محرم خصوصاً والدین، بھائی یا کبرسنی کی صورت میں بالغ بیٹے موجود ہوں تو یہ شرط درست ہوگی اور عورت مستقل شب گذاری کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

خلاصہ بحث:

۱۔ نکاح میں عائد کی جانے والی وہ شرائط جن میں مرد اپنے کسی حق سے دستبردار ہوتا ہے مثلاً یہ کہ وہ عورت کو اس کے آبائی شہر ہی میں بسائے گا۔ جمہور فقہاء (صحابہ کرامؓ، تابعین، ائمہ ثلثہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی) کے نزدیک لازم الایفاء نہیں ہے۔ ان شرائط کے پورا نہ کرنے پر عوت کو حق فسخ حاصل نہ ہوگا۔ البتہ مرد گناہ گار ضرور ہوگا۔ دیگر فقہاء صحابہ، تابعین اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ان شرائط کے پورا نہ کرنے پر عورت کو حق فسخ حاصل ہوگا۔

۲۔ نامور معاصر فقہاء حنابلہ کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں۔

۳۔ نکاح مشروط کی مطلق اجازت معاصر معاشرتی مسائل کے حل میں کارگر ہونے کی بجائے مزید مسائل پیدا ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔ لہٰذا ہر شرط پر گہرے غور وفکر کے بعد ہی کوئی حکم لگایا جاسکتا ہے۔

۴۔ عورت کی ملازمت کی شرط کو مطلقاً قابل ایفاء ٹھہرانے کی بجائے مرد کے نفقہ ادا نہ کرنے کی صورت سے مشروط کرنا ہی مناسب ہے۔

۵۔ مسلم اقلیتی معاشروں کی مجبوریوں کے پیش نظر عورت یا اس کے اولیاء کی طرف سے مرد پر عائد کی گئی یہ شرط کہ وہ عورت کو وہیں رکھے گا، لازم الایفاء ہے۔

۶۔ مرد کی طرف سے عائد کی گئی وہ شرائط جن سے عورت کے کلیدی حقوق پر زد پڑتی ہے، مثلاً نفقہ کی عدم ادائیگی و شب باشی سے بریت وغیرہ لازم الایفاء نہیں ہیں۔ عورت کسی وقت بھی ان حقوق کا مطالبہ کرسکتی ہے اور عدم تسلیم کی صورت میں حق فسخ رکھتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، بیروت، دار الفکر، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، ۱/۵۹۲، ح ۱۸۴۶

۲۔ مسلم بن الحجاج نیشاپوری، الجامع الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ ووجد مؤنۃ، ۴/۱۲۸، ح ۳۴۶۴

۳۔ الروم: ۲۱

۴۔ صحیح بخاری، بیروت، دار ابن کثیر، ۱۴۰۷ھ، کتاب الشروط، باب الشروط فی المہر، ۲/۹۷۰، ح ۲۵۷۲، کتاب النکاح، باب الشروط فی النکاح، ۵/۱۹۷۸، ح ۴۸۵۶؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الوفاء بشرط النکاح، ۲/۱۰۳۵، ح ۱۴۱۸، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل یشترط لھا دارھا، بیروت، دار الفکر، س۔ن، ۲/۲۴۴، ح ۲۱۳۹؛ سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی الشرط فی عقدۃ النکاح، بیروت، دار احیاء التراث، العربی، ۳/۴۳۴، ح ۱۱۲۷؛ سنن نسائی، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۱ھ، کتاب النکاح، احکام فی الخطبۃ وشروط النکاح، ۳/۳۲۲۔۳۲۳، ح ۵۵۳۱، ۵۵۳۳؛ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الشرط فی النکاح، ۱/۶۲۸، ح ۱۹۵۴

۵۔ اوجز المسالک، ۲/۳۲۱

۶۔ ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد، بیروت، دار الفکر، س۔ن، ۲/۴۴

۷۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الشروط التی لاتحل فی النکاح، ۵/۱۹۷۸ء، ح ۴۸۵۷

۸۔ عبد الرزاق، ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام، المصنف، بیروت، المکتب الاسلامی ۱۴۰۳ھ، کتاب النکاح، باب الشروط، ۶/۲۲۴۔۲۳۱؛ مصنف ابن ابی شیبہ، ریاض، مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ، کتاب النکاح، من قال لیس شرطھا بشیء، ۳/۵۰۰

۹۔ العبدری، محمد بن یوسف، التاج والاکلیل، بیروت، دار الفکر، ۱۳۹۸ھ، ۳/۴۴۶؛ مقدسی، عبداللہ بن احمد، المغنی، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۵ھ، ۷/۷۱؛ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، البحر الرائق، بیروت، دار المعرفۃ، س۔ن، ۳/۱۷۳؛ نووی، یحییٰ بن شرف، شرح النووی علی صحیح مسلم، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۲ھ، ۹/۲۰۱۔۲۰۲

۱۰۔ ابن حبان، محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۴ھ، ذکر البیان بان زوج بریرۃ کان عبدالاحرا، ۱۰/۹۴، ح ۴۲۷۲، سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، باب المکاتب، ۲/۸۴۲، ح ۲۵۲۱؛ احمد بن حنبل، امام، المسند، مصر، مؤسسۃ قرطبہ، س۔ن؛ مسند عائشہ، ۶/۱۸۳، ح ۲۵۵۴۳، ۶/۲۱۳، ح ۲۵۹۲۷

۱۱۔ سنن البیہقی الکبریٰ، مکۃ المکرمۃ، مکتبہ دار الباز، کتاب الشرکۃ، باب الشرط فی الشرکۃ، ۶/۷۹، کتاب النکاح، باب الشرط فی النکاح، ح ۱۴۲۱۱؛ طبرانی، سفیان بن احمد، المعجم الکبیر، موصل، مکتبۃ العلوم، ۱۴۰۴ھ، باب من اسمہ عمرو، ۱۴۰۴ھ، ۲۲/۱۷، ح ۳۰

۱۲۔ حضرت عمرؓ اور امام اسحاق بن راہویہ کی طرف نسبت امام ترمذی نے کی ہے۔ ابن مسعودؓ کا ذکر امام بغوی نے کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور دیگر تابعین کا ذکر مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور ابن شبرمہ کی طرف نسبت ابن رشد نے کی ہے۔

ترمذی، محمد بن عیسی، سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الشرط فی عقدۃ النکاح، ۳/۴۲۴؛ مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب النکاح، فی الرجل یتزوج المراۃ ویشترط لھا دارھا، ۳/۵۰۰؛ بدایۃ المجتہد ۲/۴۴؛ بغوی، محمد حسین بن مسعود، شرح السنۃ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ، کتاب النکاح، باب الوفاء بشرط النکاح، ۵/۴۴

۱۳۔ صحیح، بخاری، کتاب النکاح، باب الشروط فی النکاح، ۵/۱۹۷۸

۱۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الرجل یشترط لھا دارھا، ۲/۲۴۴

۱۵۔ ابن قدامہ، المغنی، ۷/۷۱

۱۶۔ المائدہ:۱

۱۷۔ جصاص، احمد بن علی، احکام القرآن، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ، ۳/۲۸۵

۱۸۔ ایضاً، ۳/۲۸۶۔۲۸۷

۱۹۔ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی المہر ۲/۹۷۰، ح ۲۵۷۲، کتاب النکاح، باب الشروط فی النکاح، ۵/۱۹۷۸، ح ۴۸۵۶؛ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الوفاء بشرط النکاح، ۲/۱۰۳۵، ح ۱۴۱۸؛ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی الرجل یشترط لھا دارھا، ۲/۲۴۴، ح ۲۱۳۹؛ سنن ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الشرط فی عقدۃ النکاح، ۳/۴۳۴، ح ۱۱۲۷؛ سنن نسائی، کتاب النکاح، احکام فی الخطبۃ وشروط النکاح، ۳/۳۲۲۔۳۲۳، ح ۵۵۳۱، ۵۵۳۳؛ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الشرط فی النکاح، ۱/۶۲۸، ح ۱۹۵۴

۲۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب النکاح، فی الرجل یتزوج ویشترط لھا دارھا، ۳/۵۰۰

۲۱۔ المغنی، ۷/۷۱

۲۲۔ محولہ بالا

۲۳۔ عینی، بدالدین محمود بن احمد، عمدۃ القاری، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، س۔ن، ۲۰/۱۹۸

۲۴۔ کاشمیری، انور شاہ، مولانا، العرف الشذی علی جامع الترمذی، ملتان، مکتبہ شرکت علمیہ، س۔ن، ۱/۲۱۶

۲۵۔ ظفیر الدین، مفتی (مرتب) فتاوی دارالعلوم دیوبند، ملتان، مکتبہ حقانیہ، س۔ن ۹۳/۷

۲٦۔ بدایۃ المجتہد، ۴۵/۲

۲۷۔ ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری، بیروت، دارالمعرفۃ، ۱۳۷۹ھ، ۲۱۸/۹

۲۸۔ i وھبہ الزحیلی، الدکتور، الفقہ السلامی وادلتہ، دمشق، دارالفکر، الطبعۃ الثانیہ عشرۃ، ۵۲/۹

ii۔ سید سابق، فقہ السنہ، بیروت، دارالکتب العربی، ۱۹۹۷ء، ۵۳/۲

iii۔ مصطفیٰ احمد الزرقا، المدخل الفقہی العام، دمشق، مکتبہ الف باء الادیب، ۱۹٦۷ء، ۲۲۷/۱-۲۲۵، فقرہ ۹۲، ۹۳

۲۹۔ حصکفی، علاؤالدین، الدرالمختار مع ردالمحتار، بیروت، دارالفکر، ۱۳۸٦ھ، ٦۰۴/۳

۳۰۔ محولہ بالا

۳۱۔ الاحزاب: ۳۳

۳۲۔ محفوظ الرحمٰن، اشتراط فی النکاح، مشمولہ جدید فقہی مباحث، کراچی، ادارۃ القرآن، س۔ن ۱۴۵/۱۱

۳۳ لدھیانوی، رشید احمد مفتی، احسن الفتاوی، کراچی، ایچ۔ایم۔سعید کمپنی، س.ن، ۴۱۳/۵

۳۴۔ خالد سیف رحمانی، جدید فقہی مسائل، کراچی، زم زم پبلشرز، ۲۰۰٦ھ، ۴۸/۳

۳۵۔ مرغنانی، علی ابن ابی بکر، الہدایہ، ۲۲۲/۱، کراچی، زم زم پبلشرز، ۲۰۰٦ء